فصل پنجم

مریم جمیلہ

مریم جمیلہ اسلام کی طرف پلٹ آنے والی امریکی نژاد اسکالر ہیں۔ 1941ء میں پیدا ہوئیں ماں باپ یہودی تھے مگر بچپن سے ہی ان کا زرخیز ذہن اپنے مذہب کے بارے میں سوالات اٹھاتا رہتا تھا۔ اپنے بارے میں اپنی ہی کتاب 'اسلام ایک نظریہ' ایک تحریک' کے ابتدائی باب 'یہودیت سے اسلام تک' میں وہ رقمطراز ہیں۔

بہت چھوٹی عمر ہی سے مجھے یہ معلوم کرنے کا اشتیاق تھا کہ یہودی ہونے سے کیا مراد ہے۔ یہ اشتیاق پہلے پہل غالباً ایسٹر کے زمانے میں پیدا ہوا۔ ایسٹر کے دن آتے تو میرے مسیحی ہم جماعت مجھے 'مسیح کی قاتل' کہنا شروع کر دیتے۔ ایسٹر گزرتے ہی گویا معجزہ رُونما ہو جاتا۔ وہ لوگ یکسر بدل جاتے اور سال کے باقی دن بڑے خوش گوار اور دوستانہ ماحول میں گزرتے۔ ایک مرتبہ میں نے ایک چھوٹے سے رومن کیتھولک ہم جماعت سے اِس طرزِ عمل کا سبب پُوچھا تو اس نے جواب دیا کہ ہمیں پادری صاحب نے کہا تھا۔[۱]

ان کے اندر کی ذہین طالبہ ان پر ابتدا ہی سے کس طرح حاوی تھیں وہ لکھتی ہیں:

''جب میں زندگی کی نویں اور دسویں منزل پر تھی، پورے دو برس ہفتہ وار مذہبی تعلیم کے دوران میں اپنے حقیقی نام ونشان کی تلاش کا خیال میرے دل و دماغ پر حاوی رہا؛ چنانچہ انگریزی میں یہودی قوم کے متعلق جس قدر کتابیں مجھے مِل سکیں میں نے بڑے حریصانہ ذوق وشوق کے ساتھ پڑھ ڈالیں۔ تھوڑی ہی مدت میں یہودیوں کی المناک تاریخ میرے لیے اس قدر جانی بُوجھی تاریخ بن گئی کہ اُس سے متعلق صفحہ قرطاس پر اُبھرنے والی خیالی تصویریں بسا اوقات اپنے گردوپیش پھیلی ہوئی حقیقی زندگی سے بھی زیادہ حقیقی نظر آتیں''۔[۲]

اپنے حالات زندگی بیان کرتے ہوئے وہ مزید لکھتی ہیں کہ میرا گھرانہ اس دنیا سے تعلق نہیں رکھتا تھا۔ میں ایک کٹر مذہبی گھرانے میں نہیں 'اصلاح یافتہ' گھرانے میں پیدا ہوئی تھی جو مسیحی معاشرے میں بڑی حد تک جذب ہو چکا تھا۔ میرے والدین یہودی شریعت پر عمل کرتے تھے' نہ میرے قریبی رشتہ دار۔ امریکہ میں رہنے والے یہودیوں کی غالب اکثریت اصلاً روسی ہے، مگر اُن کے برعکس ہمارا گھرانا جرمن تھا۔ ہم لوگ روسیوں کی طرح جبر وتشدد اور قتلِ عام کے نکالے ہوئے نہ تھے بلکہ سوسوا سو سال پہلے اقتصادی ترقی کی تلاش میں اپنی مرضی سے امریکہ چلے آئے تھے۔ مشرقی یورپ کے یہودیوں کی طرح جرمنی کے یہودی غیتو کی الگ تھلگ زندگی سے نکل کر نہیں آئے تھے بلکہ وہ مسیحی معاشرہ میں ضم ہو چکے تھے۔ میری پردادی جو شکل وصورت میں جرمن خواتین کی طرح حسین، دراز قامت اور گورے رنگ کی تھیں، کرسمس ہمیشہ بڑی دُھوم دھام سے مناتی تھیں۔ اس تقریب پر وہ اپنے بیٹے بیٹیوں اور اُن کے بچوں کو بڑے اہتمام سے تحفے تحائف دیتیں اور بڑا شجرِ عید آراستہ کرتی تھیں۔

۱۔ مریم جمیلہ، اسلام ایک نظریہ ایک تحریک، ص ۱۷ ۲۔ اسلام ایک نظریہ ایک تحریک، ص ۱۸

ہم اصلاح یافتہ یہودی اپنے عبادت خانوں کو 'سینا گاگ' (Synagogue) نہیں 'ٹمپل' (Temple) کہا کرتے تھے۔ ان ٹمپلوں میں عبادت پروٹسٹنٹ عیسائیوں کے طرز پر ہوا کرتی۔ تربیت یافتہ پیشہ ور مرد وزن کا مخلوط طائفہ مشہور و معروف مسیحی مناجاتیں بڑی سریلی دُھن میں گاتا۔ اس طائفے میں متعدد مسیحی بھی ہوتے۔ مناجاتوں کے وہ سارے الفاظ بدل ڈالے گئے تھے جن سے یہودی حاضرین اجتماع کے جذبات مجروح ہوتے تھے۔ ہماری دُعائیں تقریباً سب کی سب انگریزی زبان میں تھیں۔ ان میں عبرانی کے الفاظ نہ ہونے کے برابر تھے۔ جو احکام راسخ الاعتقاد یہودیوں کے نزدیک واجب العمل تھے، اُن کی پابندی ہمارے لیے لازمی نہ تھی۔ اصلاح یافتہ رہنما انہیں فرسودہ اور جدید زندگی کے لیے بے کار سمجھتے تھے۔ ہمارے گھر کی فضا پڑوس کے مسیحی گھروں سے ذرا بھی مختلف نہ تھی۔ ہم بھی راسخ الاعتقادی سے اتنے ہی بیگانہ تھے جتنا کہ ہمارے پڑوسی۔ بس ایک چیز نے ہمارے یہودی تشخص کو معدوم ہونے سے بچا رکھا تھا اور یہ بات بجائے خود حیران کُن تھی۔ مسیحی معاشرہ میں 'انضمام' کے باوجود ہم لوگوں میں مسیحیوں کے ساتھ شادی بیاہ کا رواج نہ تھا۔ اسی طرح ہمارے معاشرتی تعلقات بھی اپنی ہی نسل وقوم تک محدود تھے۔

اپنے اصلاح یافتہ یہودی ہونے کے حوالے سے وہ لکھتی ہیں:

''مجھے اصلاح یافتہ یہودیت سے سخت نفرت تھی۔ میرے نزدیک وہ جدید مغربی زندگی کا رنگ ڈھنگ اختیار کرنے کی کوشش میں کھوکھلی اور بے معنی باتوں کا مجموعہ بن کر رہ گئی تھی۔ مقدّس شریعت سے کلیتًا اعراض کے نتیجے میں اس کے پیرو محض برائے نام یہودی تھے۔ تحریکِ اصلاح نے فی الحقیقت یہودیت کو اس کی رُوح اور معنویت سے عاری کر دیا تھا اور نام کے سوا اُس کے دامن میں کوئی شَے باقی نہ چھوڑی تھی۔ اکثر اصلاح یافتہ یہودی، جنہیں میں جانتی تھی، ملحد تھے۔ یہ لوگ چند ایک یہودی رسوم سے محض عادات، خاندانی روایات یا معاشرتی مجبوریوں کی بنا پر چمٹے ہوئے تھے۔[۳]

قبولِ اسلام

اسلام سے ان کی قربت کا آغاز عربوں سے تعلق کے ذریعے ہوا۔ وہ لکھتی ہیں:

''یہودیوں اور عربوں کی باہمی قرابت میرے لیے بچپن ہی سے مسحور کن تھی۔ یہودی کتابوں میں مَیں نے پڑھا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام ان دونوں قوموں کے باپ ہیں۔ یہودی ان کے بیٹے اسحاق (علیہ السلام) کی اولاد ہیں اور عرب سلسلہءنسب اُن کے بڑے بیٹے اسمٰعیل (علیہ السّلام) کے ساتھ جوڑتے ہیں۔ کیا یہ محض ایک افسانہ تھا یا حقیقت؟ امریکہ میں 'سامی دشمنی' کی اصطلاح یہودیوں سے نفرت اور بغض وعناد کے ساتھ مخصوص ہو چکی ہے۔ اس لفظ کا اطلاق کبھی عربوں کے سلسلے میں نہیں ہوا' تاہم جغرافی خصوصیات، طبعی ہیئت اور تہذیب و ثقافت کی اصطلاح میں عرب کہیں زیادہ خالص 'سامی' ہیں۔ یورپ میں صدیوں اقامت کی وجہ سے یہودیوں کی اکثر خصوصیات کی طرح عربوں کے ساتھ رشتہ داری کا رنگ بھی اگرچہ پھیکا پڑ چکا ہے' تاہم اساسی طور پر یک جدّی قرابت اب تک باقی ہے۔

۳۔ اسلام ایک نظریہ ایک تحریک، ص ۲۰

میں بہت سے یہودیوں کو جانتی ہوں اور ان میں سے بعض میرے اپنے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، جو خدّ وخال کے اعتبار سے بالکل عرب نظر آتے ہیں۔ ایسے عرب جو اگرچہ بطور مفروضہ ہی سہی، خالص یورپی نژاد ہوں۔[۴]

وہ مزید لکھتی ہیں کہ سال پر سال گزرتے چلے گئے۔ اس عرصے میں بتدریج یہ حقیقت مجھ پر آشکارا ہوگئی کہ عربوں نے اسلام کو سربلند نہیں کیا، بلکہ اسلام نے عربوں کو عظمت عطا کی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث نہ ہوتے تو عرب آج قطب شمالی کے سکیمو اور جنوبی افریقہ کے زولو قبائل کی طرح گُمنام اور پردۂ تاریکی میں مستور ہوتے۔ اسی طرح قرآنِ کریم عربی زبان میں نازل نہ ہوتا تو آج عربی اگر ناپید نہیں تو دنیا کی غیر اہم اور بے مایہ زبانوں میں شمار ہوتی۔ چونکہ ہمارے رسولِ پاکؐ عرب تھے اور قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا، اس لیے دنیا کا ہر مسلمان، خواہ وہ کسی قوم اور نسل سے تعلق رکھتا ہے، ثقافت کے اعتبار سے عرب ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''عربوں سے تین امور کی بنا پر محبّت کرو۔ میں عرب ہوں، قرآن کریم عربی میں ہے اور اہلِ جنّت کی زبان عربی ہوگی۔''[۵]

اپنے قبول اسلام کی وجہ بیان کرتے ہوئے وہ لکھتی ہیں:

''مَیں نے اِسلام اپنے اجداد کی میراث اور اپنی قوم سے نفرت کی بنا پر قبول نہیں کیا۔ میری اس خواہش کے پیچھے استرداد سے زیادہ تکمیل کا جذبہ کارفرما تھا۔ میرے لیے اس کا مطلب ایک جاں بلب اور محدود مذہب کو چھوڑ کر ایک ایسے متحرک اور انقلابی مذہب کو اپنانا تھا، جو عالمگیر اقتدارِ اعلیٰ سے کم تر کسی چیز پر قناعت نہیں کرتا۔''[۶]

یوں ان کا اسلام کی طرف اندرونی سفر کا عمل ان کے اپنے الفاظ ہی میں مکمل ہوتا ہے۔ اپنی فطرت کی طرف واپسی کے عمل میں ان کا تعلق اپنے روحانی باپ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی سے قائم ہوا۔ بعد ازاں وہ ہجرت کرکے پاکستان تشریف لے آئیں۔ یہاں مولانا مودودی ہی کے زیرِ نگرانی انہوں نے اسلام کے حوالے سے خاصا کام کیا۔ یہیں محمد یوسف خان صاحب سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئیں اور پھر یہیں کی ہوکر رہ گئیں۔

مغرب کی تہذیبی یلغار

مغرب کی طرف سے جاری تہذیبی یلغار اور اس کا ہدف مسلمان معاشرے کا خاندانی نظام اور اس کی بنیاد عورت رہی ہے۔ جو ماں، بیٹی، بہن اور بیوی کی صورت میں ہے۔ مغربی معاشرے کی اس تہذیبی یلغار کے بارے میں وہ لکھتی ہیں:

''مسلمانوں کو یہ حقیقت پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ آزادیِ نسواں کی تحریک دراصل اغیار کی ایک انتہائی ناپاک سازش ہے۔ اس طرح وہ گھر، خاندان اور بالآخر پُورے معاشرے کو تباہ کر دینا چاہتے ہیں۔ 'عورتوں کے حقوق'، 'آزادی' وغیرہ کے فرسودہ نعرے اس تحریک کے حقیقی عزائم کو چھُپانے کے لیے محض

۴۔ اسلام ایک نظریہ ایک تحریک، ص ۲۲
۵۔ اسلام ایک نظریہ ایک تحریک، ص ۲۳، بحوالہ بیہقی۔
۶۔ اسلام ایک نظریہ ایک تحریک، ص ۲۸

ایک پردہ ہیں۔ مُسلمان ممالک میں آزادیِ نسواں کی تحریک کے وہی تباہ کُن نتائج برآمد ہوں گے جو دوسرے ملکوں میں ہو چکے ہیں۔ ان ملکوں میں ناجائز جنسی تعلقات وبا کی صورت اختیار کر چکے ہیں، انسانوں کی اخلاقی پستی کا یہ عالم ہے کہ جنگل کے وحشی جانور تک شرما جائیں۔ گھر اور خاندان بلکہ پُورے معاشرے کا ڈھانچا تباہ ہو چکا ہے۔''[۷]

وہ مزید لکھتی ہیں کہ مجوزہ یک جنسی معاشرہ ایک ایسا معاشرہ ہے جو مرد اور عورت کے درمیان کوئی تہذیبی یا معاشرتی امتیاز نہیں کرتا۔ ازدواج، گھر اور خاندان سے محروم معاشرہ جہاں عصمت اپنی پاکدامنی کو ترسے اور ممتا کو قدر نہ ملے، ترقی یا آزادی کا نہیں بلکہ پستی کی بدترین حالت کا مظہر ہے۔ اس کا نتیجہ پریشانی، انارکی اور انتشار ہے۔[۸]

تحریک نسواں موجودہ سماجی انتشار کی ایک غیر فطری، مصنوعی اور معمول سے ہٹی ہوئی پیداوار ہے جو اخلاقی و روحانی اقدار سے انکار کا ناگزیر نتیجہ ہے۔ تاریخ اور بشری علوم کیطلبہ کے لیے تحریک نسواں معمول سے ہٹی ہوئی 'حماقت' Abnormality ہے۔ کیونکہ قبل از تاریخ اور زمانہ تاریخ کی وہ تہذیبیں جن سے آج ہم واقف ہیں 'مردانہ پن' اور 'زنانہ پن' میں واضح فرق کرتی ہیں اور آج انہی کے مطابق مرد اور عورت کے جسمانی کرداروں کا تعین ہوتا ہے۔ گھر اور خاندان کا انتشار، باپ کے بااختیار کردار کے ضیاع اور جنسی انارکی، ہر قوم کے زوال و انحطاط کے براہ راست ذمہ دار عوامل ہیں۔[۹]

اس بارے میں وہ مزید لکھتی ہیں:

''جدید تہذیب میں ایک عورت اسی وقت لائق عزت و احترام سمجھی جاتی ہے جب وہ مردوں کے سے فرائض کامیابی سے انجام دے اور ساتھ ہی ساتھ اپنے حُسن و جمال کی زیادہ سے زیادہ نمائش کرے۔ نتیجہ یہ ہے کہ دَورِ جدید کے معاشرے میں دونوں اصناف کے فرائض پوری طرح گڈمڈ ہو چکے ہیں۔ اِسلامی تعلیمات ایسی بگڑی ہوئی غلط اقدار کو کبھی برداشت نہیں کرسکتیں۔ .....اسلام میں عورت کا کارِ منصبی بیلٹ بکس نہیں ہے بلکہ گھر اور خاندان کی خبر گیری ہے۔ اُس کی کامیابی کا معیار یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کی کتنی وفادار ہے اور کس قدر لائق بچّے اُس کی گود میں پروان چڑھتے ہیں۔ ایک مسلمان خاتون سے عزلت اور گوشہ نشینی کی توقع کی جاتی ہے۔ پردہ اس مقصد کے لیے ناگزیر ذریعہ ہے۔ مرد تاریخ کے اسٹیج پر ایکٹر ہیں اور عورتوں کا کام پردہ کے پیچھے اور عوام کی نگاہوں سے مخفی رہ کر ان کی مدد کرنا ہے۔ یہ کام شاید جوش آفریں بھی کم ہے اور حقیر و فرومایہ بھی ہے لیکن ہمارے نظامِ حیات کے تحفظ کے لیے نہایت ضروری ہے۔''[۱۰]

مغرب کا تصورِ آزادیِ نسواں

عورتوں کے حقوق کا مغربی تصور بیان کرتے ہوئے وہ لکھتی ہیں:

''آزادیِ نسواں کے حامیوں کی خواہش ہے کہ مردوں کی طرح عورتوں کو بھی ناجائز جنسی تعلقات قائم

۷۔ مریم جمیلہ، مسلمان عورت کی آزادی اور اسلام، ص ۱۳۸

۸۔ مریم جمیلہ، تحریکِ نسواں اور مسلمان عورت، ص ۴۲

۹۔ تحریکِ نسواں اور مسلمان عورت، ص ۴۰

۱۰۔ مریم جمیلہ، مسلمان عورت معاشرہ میں اس کا کردار، ص ۱۲۶، ۱۲۷

کرنے کی آزادی ہونی چاہیے۔ اس مقصد کے لیے مخلوط تعلیم رائج کی جائے، گھر سے باہر مردوں کے دوش بدوش عورتوں کو ملازمت دی جائے، مخلوط تفریحی اور معاشرتی تقریبات، جن میں شراب خوری، نشہ بازی اور رقص کی محفلیں بھی شامل ہیں، منعقد کی جائیں، مانع حمل ادویہ، آلات، اسقاط اور نس بندی اور آپریشن کے ذریعے بانجھ پن کے اعمال عام کیے جائیں تاکہ عورتیں غیر مطلوب حمل سے محفوظ رہ سکیں۔ بچّوں کی، جن میں بہت سے ناجائز ہوں گے، پرورش کے لیے ریاست کی نگرانی میں نرسریاں اور سرکاری اقامتی درس گاہیں کھولی جائیں..... یہ ہے 'عورت کے حقوق' کے اس جدید تصور کا خلاصہ۔''[۱۱]

امریکی معاشرے کے دورے سے وہ امریکی کالم نگار کی تحریر کا حوالہ دیتی ہے کہ ایک ایسے معاشرے میں رہتے ہیں جس میں بدکاری وبا کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ سب سے زیادہ زور حواس اور شہوانیت کی آزادی پر دیا جاتا ہے۔ تمام قدیم ضوابط ٹوٹ کر بہہ گئے ہیں۔ زمانہ قریب تک کلیسا، حکومت، خاندان اور قوم فیصلہ کن حیثیت رکھتے تھے۔ کس چیز کا اظہار کھلے عام کیا جا سکتا ہے اور کس کا نہیں؟ اس کی ہدایت انہی اداروں کا کام تھا، لیکن اب یہ ادارے معاشرے کی اکثریت کے آگے مغلوب ہو چکے ہیں یہ اکثریت کسی امتیاز اور رکاوٹ کے بغیر ہر ایک شے کے دیکھنے اور ہر بات کے سننے کا مطالبہ کرتی ہے۔[۱۲]

مسلم معاشرے میں خواتین کے فرائض

مغربی تہذیب کی شروع کردہ حقوق نسواں تحریک کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد مسلم معاشرے میں مرد و خواتین کے فرائض پر مریم جمیلہ لکھتی ہیں:

شریعت مرد اور عورت کی فطرت کا لحاظ رکھتے ہوئے ان کے کردار کا تعین کرتی ہے۔ یہ مرد کو سماجی و سیاسی اختیار اور نقل و حمل کا حق دیتی ہے۔ جس کے ذریعے اسے اپنے خاندان کو معاشی، معاشرتی اور دوسرے ہر قسم کے دباؤ سے تحفظ دلا کر بڑی اہم ذمہ داریاں ادا کرنا ہوتی ہیں۔ دنیا میں نگران اور اپنے گھر کا سربراہ مرد اپنے گھر میں اس طرح سے عمل کرتا ہے کہ اپنی اہلیہ کے اختیار کا احترام اور احساس کرتا ہے۔ باہمی افہام و تفہیم سے مسلم مرد و عورت خدا کی طرف سے عائد کردہ فرائض کو ادا کرنے، اپنی شخصیات کی تکمیل کرنے اور ایک توانا خاندانی اکائی تشکیل دینے کے قابل ہوتے ہیں۔ یہ خاندان ہی مسلم معاشرے کا بنیادی ڈھانچا ہے۔[۱۳]

مسلم معاشرے میں سب سے توانا کردار عورت کا بحیثیت ماں ہوتا ہے۔ بچوں کی زندگی پر ماں کے کردار کے اثرات پہ وہ لکھتی ہیں۔

''احادیث سے پتا چلتا ہے کہ صحابہ کرامؓ اپنے بچوں کو دُودھ چھڑانے سے پیشتر ہی قرآن کی چھوٹی چھوٹی

۱۱۔ مریم جمیلہ، مسلمان عورت کی آزادی اور اسلام، ص ۱۳۳ ۱۲۔ مسلمان عورت کی آزادی اور اسلام، ص ۱۳۴

۱۳۔ مریم جمیلہ، تحریکِ نسواں اور مسلمان عورت، ص ۴۱

سورتیں یاد کرانے لگتے تھے۔ بچہ جوں ہی بول چال شروع کرے اُسے کلمہ طیّبہ، بسم اللہ، الحمدللہ، اللہ اکبر، ان شاء اللہ اور ماشاء اللہ ایسے کلمات سکھانے چاہییں۔ جب وہ کھڑا ہونے اور چلنے پھرنے کے قابل ہو جائے تو ماں کی کوشش کرنی چاہیے کہ بچّہ اُس کے نقش قدم پر چلے۔ بچے اپنے بڑوں کی نقل بڑے ذوق وشوق سے اُتارتے ہیں۔ ماؤں کو چاہیے کہ ان کی حوصلہ افزائی کریں اور کوشش کریں کہ جب وہ نماز پڑھنے کھڑی ہوں تو بچے ان کی نقل اتاریں۔[۱۴]

مسلمان ماؤں کے فرائض بیان کرتے ہوئے محترمہ مریم جمیلہ لکھتی ہیں:

''مسلمان لڑکیاں مذہب کی طرف میلان رکھتی ہیں۔ وہ قرآن و حدیث اور دوسرے اسلامی لٹریچر کا مطالعہ بھی کرتی ہیں، مگر اس طرح گویا اسلام محض ایک عظیم الشان مجرو فلسفہ ہے۔ وہ سینما کی فحش فلمیں دیکھتی اور ریڈیو پر گائے جانے والے بیہودہ اور بازاری گیت کچھ ایسے ذوق وشوق سے سُنتی ہیں کہ بے خیالی، بلکہ بسا اوقات نیند، میں خود بھی گانے لگتی ہیں۔ وہ نیم عُریاں چُست لباس پہن کر مخلوط مجالس میں شریک ہوتی ہیں۔ انہیں خیال تک نہیں آتا کہ ان حیا سوز باتوں سے اجتناب کرنا چاہیے۔ مسلمان ماؤں کا فرض ہے کہ وہ اپنی نوجوان لڑکیوں اور لڑکوں کی رہنمائی کریں۔ انہیں بتائیں کہ ان کے سکول یا کالج کے ساتھی اس قسم کے کام کرتے ہیں تو اس سے ان کے درست اور حق ہونے کا جواز نہیں مل جاتا۔ مسلمان خواتین کو یہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ قرآن و حدیث کے مطالعہ کا مقصد یہ ہے کہ اُن کی تعلیمات کو اپنی زندگی میں نافذ کیا جائے۔'' [۱۵]

مسلم معاشرے میں شوہر اور بیوی کا کردار واضح کرتے ہوئے مریم جمیلہ لکھتی ہیں:

''دُوسری جانب عورت کا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کی وفادار اور اطاعت شعار ہو اور اس کے اعتماد پر پُورا اترے۔ قرآن کریم شوہر کو بیوی پر کسی حد تک فوقیت ضرور عطا کرتا ہے، لیکن اس تفوق کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ظالم و جابر بن جائے، بلکہ اس کا مقصد خاندان کا تحفّظ اور اُسے فساد اور بگاڑ کا شکار ہونے سے بچانا ہے۔'' [۱۶]

مسلمان ماں کے لیے صحت کی تعلیم کی اہمیت بیان کرتے ہوئے وہ لکھتی ہیں:

''اسلامی تعلیم کا تقاضا ہے کہ لڑکیاں صحت کے بنیادی اصولوں، فوری طبّی امداد اور اصولِ تغذیہ سے واقف ہوں۔ بہت سی مسلمان عورتیں اصولِ تغذیہ سے بالکل بے خبر ہیں۔ وہ نہیں جانتی کہ بچوں کو مکمل غذا کیونکر دی جاتی ہے۔ حالانکہ صحیح غذا دستیاب بھی ہوسکتی ہے اور وہ اپنے بچوں کو دے بھی سکتی ہیں۔ اَن پڑھ اور شعور و احساس سے تہی دامن عورت ان اسلام دشمن اثرات کا معقول سدِّ باب نہیں کر سکتی جو اُس کے بچوں کو شب و روز نقصان پہنچا رہے ہیں۔ عامل وفہیم، تعلیم یافتہ اور پُر جوش مسلمان خواتین ہی

۱۴۔ مریم جمیلہ، مسلمان ماں کے فرائض، ص ۱۴۱ ۱۵۔ مسلمان ماں کے فرائض، ص ۱۳۹

۱۶۔ مسلمان ماں کے فرائض، ص ۱۴۰

اُس کام سے عہدہ برآ ہوسکتی ہیں جس سے وہ آج دو چار ہیں۔'' ۱۷

مخلوط تعلیم

مخلوط تعلیم کے نقصانات واضح کرتے ہوئے وہ بیان کرتی ہے کہ مخلوط تعلیم کی بنیاد اس مغالطے پر ہے کہ مرد وزن کے درمیان فطرتاً کوئی فرق و امتیاز نہیں ہے اور دونوں کو گھر سے باہر یکساں نوعیّت کے کاموں کی تربیت دی جانی چاہیے تاکہ وہ ہمہ وقتی ذریعہ معاش اختیار کرنے کے قابل ہوسکیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ مخلوط درس گاہوں میں تعلیم پانے والی لڑکیاں ازدواجی زندگی اور امومت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کی تربیت شاذ و نادر ہی پاتی ہیں؛ تاہم یہی پروپیگنڈا بڑے شدّ ومد سے یہ بھی کہتا ہے کہ آزاد عورت کی بنیادی ذمہ داری اپنے گھر کی دیکھ بھال ہے گویا بالفاظ، دیگر مغرب زدہ عورت کو دوہرا بوجھ اُٹھانا ہوگا۔ گھر سے باہر کسبِ معاش کے ساتھ ساتھ اُسے اپنے شوہر اور بچوں کے فرائض بھی انجام دینا ہوں گے اور اپنا گھر بھی یکہ و تنہا صاف ستھرا رکھنا ہوگا۔ ۱۸

اس بارے میں وہ مزید لکھتی ہیں:

''ہمارے نوجوان گھروں، سکولوں اور کالجوں میں تعلیم پاتے ہیں اور ان باتوں کا جنہیں وہ رسائل و جرائد میں پڑھتے اور سُنتے ہیں اثر قبول کرتے ہیں۔ اگر انہیں مغربی طور اطوار کے بجائے اسلامی طرز کی تعلیم دی جاتی تو ان کے جذبات، خیالات اور طرزِ عمل کا انداز ہی اور ہوتا۔ اس مطلوبہ تغیر کو لانے میں خواتین فیصلہ کُن کردار ادا کرسکتی ہیں، کیونکہ وہ اگر چاہیں تو اپنے نوخیز بچوں کی زندگی پر نہایت گہرا اثر ڈال سکتی ہیں۔'' ۱۹

اسلامی معاشرہ اور خاندان

اسلامی معاشرے کے تحفظ اور آزادانہ اختلاط کے نقصانات بیان کرتے ہوئے مریم جمیلہ لکھتی ہیں:

''اسلامی معاشرے کا ایک اور اہم فرض خاندان کا تحفظ ہے۔ باہمی شفقت اور ذمّہ داری پر مبنی مضبوط خاندانی روابط ایک صحت مند معاشرے کے لیے ناگزیر اور لازمی ہیں۔ بزرگوں کی سعادت مندانہ اطاعت، ان کا احترام اور لحاظ و مروّت نہایت ضروری ہے۔ اس کی ہر ممکن طریقے سے حوصلہ افزائی کی جانی چاہیے۔ انتہائی موثر طریقہ یہ ہے کہ تقدیسِ شباب اور جوانی کی پُوجا کا مسلک ختم کر دیا جائے۔ عورتیں جب صحت مند خانگی زندگی کے تحفظ کی عظیم ذمہ داری کی اہمیت اور اس کے بجالانے میں عزت و وقار محسوس کریں گی تو مردوں کا کردار ادا کرنے کی خواہش مند نہیں رہیں گی۔ پھر وہ کاروبار اور سیاست کے میدان میں مردوں کے مقابلے کو اپنے انسانی وقار کا مسئلہ نہ سمجھیں گی نہ ساتر اور حیادار لباس پہننے کی تلقین، کھلے عام بے پردگی کے مظاہرے اور جسمانی نمائش کو قانوناً روکنے پر چراغ پا ہوں گی ..... اسلامی معاشرے کے لیے لازمی ہے کہ اختلاطِ مرد وزن کو روکے اور بلوغت کے

۱۷۔ مسلمان ماں کے فرائض، ص ۱۴۳ ۱۸۔ مریم جمیلہ، مسلمان عورت کی آزادی اور اسلام، ص ۱۳۶

۱۹۔ مسلمان عورت کی آزادی اور اسلام، ص ۱۳۰

بعد لڑکوں اور لڑکیوں کو علیحدہ کردے۔ غیر اخلاقی کتابوں، اخبارات و رسائل، کتابوں اور تجارتی اشتہارات میں تصویروں کی اشاعت پر پابندی عائد کرے، نشہ آور مشروبات کی فروخت کو ممنوع قرار دے اور ناجائز جنسی تعلقات پر حد نافذ کرے۔ اسلام کی اخلاقی قدروں کے لیے سینما کی موجودہ صنعت سے بڑھ کر زہرِ ہلاہل اور کوئی شے نہیں ہے، اس لیے ضروری ہے کہ تمام غیر مُلکی فلموں کی درآمد بند کر دی جائے اور اندرونِ مُلک میں اخلاق کش، حیا سوز اور فحش فلمیں تیار کرنے پر پابندی لگادی جائے۔ سینما اور ٹیلی ویژن کو صرف دینی اور تعلیمی مقاصد تک محدود رکھنا چاہیے۔''[۲۰]

اسلامی معاشرے میں لڑکیوں کی شادی میں والدین کے کردار پر جدت پسندوں کی تنقید پر محترمہ مریم جمیلہ لکھتی ہے:

''اسلامی نظام پر ایک اعتراض اکثر یہ کیا جاتا ہے کہ لڑکی کے شوہر کا انتخاب والدین کرتے ہیں، حالانکہ یہ انتخاب خود اُسے کرنا چاہیے تھا۔ تاہم سب ملکوں اور قوموں میں یہ امر متفق علیہ ہے کہ جب کوئی نوجوان لڑکی کسی ایسے شخص کو اپنا شوہر منتخب کرتی ہے جسے اس کے والدین ناپسند کرتے ہیں، تو وہ درحقیقت ایک ایسی مصیبت کو دعوت دیتی ہے جس کا آخری نتیجہ اس خاندان کی تباہی کی صورت میں نکل سکتا ہے۔ دوسری طرف مسلمان والدین اپنی بیٹی سے شرعاً یہ مطالبہ نہیں کر سکتے کہ جس شخص کو وہ پسند نہیں کرتی، اُس کے ساتھ لازماً اپنی زندگی گزار دے۔''[۲۱]

مسلمانوں کی تعدد ازدواج پر جدت پسندوں کی تنقید بیان کرتے ہوئے وہ لکھتی ہے:

''تعدد ازدواج کا اسلامی اصول بھی مخالفین کے ناروا حملوں کا سب سے زیادہ ہدف بنا ہوا ہے۔ یہ گویا مسلمان عورت کی پستی کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے۔ نیز اسے سراسر جنسی آوارگی اور شہوت پرستی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ہمارے تجدد پسند مصلحین تو اس پر بڑی ہی ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور اس کو صرف پس ماندہ معاشروں کے لیے موزوں قرار دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں اس کو زیادہ سے زیادہ انتہائی مستثنیٰ اور شاذ حالات میں بس برداشت کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں ہمیں یہ حقیقت خوب ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ ہمارے متجددین کی اس معذرت خواہانہ تعبیر کی بنیاد نہ قرآنِ کریم میں ملتی ہے نہ حدیث میں، بلکہ یہ سراسر مغرب کی تہذیبی اقدار سے مرعوبیت اور ذہنی غلامی کا نتیجہ ہے۔ تعددِ ازدواج سے مغربی دنیا کی نفرت کا سبب وہ مبالغہ آمیز انفرادیت ہے جو جدید معاشرے پر بُری طرح مُسلّط ہے۔''[۲۲]

اسلامی معاشرے میں طلاق کے قانون پر جدت پسندوں کی سوچ کا پردہ چاک کرتے ہوئے وہ لکھتی ہیں:

''ہمارے متجدد مصلحین مُصر ہیں کہ میاں بیوی کے مزاج میں چاہے کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو ازدواجی بندھن میں بندھے رہنے پر قانوناً مجبور کرنا چاہیے۔ چونکہ دنیا کا کوئی قانون کسی مرد اور عورت کو آپس میں محبت کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا، اس لیے جب انہیں ایک دوسرے کی ذات میں تسکین و مسرّت نہیں

۲۰۔ مریم جمیلہ، مسلمان عورت معاشرہ میں اس کا کردار، ص ۱۲۲ ۲۱۔ مسلمان عورت معاشرہ میں اس کا کردار، ص ۱۲۳

۲۲۔ مسلمان عورت معاشرہ میں اس کا کردار، ص ۱۲۵، ۱۲۶

ملے گا تو وہ اسے کسی اور جگہ ڈھونڈنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ ایسے انمل بے جوڑ جوڑے کے سامنے نجات کا صرف ایک راستہ رہ جاتا ہے۔ وہ یہ کہ عدالت کے دروازے پر دستک دے اور اُس سے کذب و دروغ، تہمت تراشی اور افترا پردازی کے ذریعے چھٹکارا پانے کا پروانہ حاصل کرے گویا اُسے باقاعدہ اپنی رُسوائی کا سامان کرنا ہوگا' جس کا نتیجہ مرد اور عورت دونوں کی اخلاقی تباہی کی صورت میں نکلے گا۔ کسی معقول سبب کے بغیر طلاق چونکہ کوئی بدکردار مرد ہی دے سکتا ہے اس لیے عورت دوسرا نکاح کرنے اور آسُودہ زندگی کا از سرِ نو آغاز کرنے میں آزاد ہوتی ہے، لیکن ہمارے تجدد پسند مصلحین ایک ایسا قانون بنانے کی تگ و دو میں مصروف ہیں جو عورت کو اس مرد کے چنگل میں ہمیشہ گرفتار رکھے اور وہ تادم آخر اس کی بدسلوکی کا شکار ہوتی رہے۔''[۲۳]

اسلامی معاشرہ جب تک خاندان کا ادارہ قائم رکھے گا مغربی تہذیب کی اُس پر یلغار کامیاب نہیں ہوسکتی۔

اسلام اور مغربی معاشرہ

Islam And Western Society

محترمہ مریم جمیلہ نے ۱۹۸۴ء میں اسلام اور مغربی معاشرہ کے عنوان سے ایک کتاب تصنیف کی۔ اس میں سے خاندان، مسلم عورت مشرقی اور مغربی تہذیب کے موازنے پر مبنی چند اقتباسات پیش خدمت ہیں۔

اسلام ہمارے ہر سوال کا تسلی بخش جواب فراہم کرتا ہے۔ اسلام میں ہر سوال کا جواب نہایت خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے، جو کہ انسانی زندگی کو ایک مقصد اور ایک راستہ دکھاتا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مذاہب میں زندگی کا مقصد سیر و تفریح، مزا، اچھا کھانا، گھر اور خاندان کی محبت ہی ہے۔ کوئی یہ سوال نہیں کرتا کہ ہمیں کیوں پیدا کیا گیا؟ ہماری زندگی کا مقصد کیا ہے؟ اور موت کے بعد ہمارے ساتھ کیا ہوگا؟ دوسرے مذاہب عیسائیت، یہودیت وغیرہ میں کہیں بھی اِن سوالوں کے تسلی بخش جواب نہیں ملتے۔[۲۴]

ہمیں ہمارے ہر سوال کا جواب قرآن پاک میں ملتا ہے لیکن قرآن پاک کو درست طریقے سے سمجھنے کے لیے ہمارے پاس حدیث کا علم ہونا بھی ضروری ہے تاکہ ہم ہر بات کو درست طریقے سے سمجھ سکیں۔ قرآن پاک اگر ہمیں زندگی گزارنے کے بنیادی طریقے بتاتا ہے، تو حدیث تمام ضروری تفصیلات فراہم کرتی ہے جس سے ہم اچھی طرح سے سمجھ سکتے ہیں کہ ہمیں زندگی کیسے گزارنی چاہیے۔ جیسا کہ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہمارے لیے نمونہ حیات ہے۔[۲۵]

آپؐ کے لیے زندگی Achievement تھی نہ کہ Enjoyment۔ خوشی اور مسرت انسانی جذبات کا حصہ ہیں اور اسلام ہمیں اس سے منع بھی نہیں کرتا، لیکن یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے ربّ کو خوش کریں، تاکہ موت کے بعد کی زندگی میں ہمیں مسرت نصیب ہو۔ جیسا کہ ہمارے لیے دنیا میں دولت اور شہرت حاصل کرنا خوشی کا باعث بنتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ

۲۳۔ مریم جمیلہ، اسلامی معاشرے کے لوازمات، ص ۱۵۱

۲۴۔ مریم جمیلہ، اسلام اور مغربی معاشرہ، ص ۲، ۳، پیراگراف ۱، ۲

۲۵۔ مریم جمیلہ، اسلام اور مغربی معاشرہ، ص ۴، پیراگراف ۲

ہم قرآن اور سنت کی تعلیمات کو سمجھیں۔ اُن پر عمل کریں تا کہ آنے والی زندگی میں پرسکون رہیں۔ آپؐ اپنے صحابیوں سے فرماتے تھے:

''اگر تم لوگ وہ سب دیکھ سکو جو میں دیکھ سکتا ہوں (موت کے بعد کی زندگی) تو تم لوگ ہنسو کم اور روؤ زیادہ'' ۲۶

۱۸۴۸ء میں عورتوں کے حقوق کے لیے جو آواز اُٹھائی گئی اُس میں ایک بات یہ تھی کہ عورتوں کو طلاق دینے کا حق حاصل ہو، اور وہ بچوں کی سرپرست کا درجہ رکھتی ہوں۔ جائیداد پر اِن کا مکمل اختیار حاصل ہو، اور جنس کی بنیاد پر ملازمت کی تقسیم نہ ہو، بلکہ وہ ملازمت جو مرد کر سکتے ہیں وہ عورتیں بھی کر سکیں۔ آج کل کی عورتیں جو مانگ کرتی ہیں وہ یہ ہے کہ جنس کی بنیاد پر مرد اور عورت میں فرق نہ کیا جائے۔ شوہر اور بیوی کو گھر میں برابری کی حیثیت حاصل ہو، یہ مکمل جنسی آزادی کی حامل ہیں۔ ان کی ایک مانگ یہ ہے کہ: All women be given the right to complete control over their reproductive lives. اور اس حوالے سے تمام ادویات میڈیکل سٹور پر آسانی سے دستیاب ہونی چاہیے، جو کہ بنا یہ جانے کہ عورت شادی شُدہ ہے یا نہیں اور ڈاکٹر کے نسخے کی مانگ کیے بنا ہی آسانی سے دستیاب ہو، اور عورتوں کی قانوناً Abortion کا حق حاصل ہو، اور سکولوں میں تمام مضامین برابری کی بنیاد پر پڑھائے جائیں۔ لڑکوں کو بھی لڑکیوں کے ساتھ ہوم اکنامکس پڑھائی جائے اور لڑکیوں کو لڑکوں والے مضامین پڑھنے چاہییں۔ بچوں کے ڈے کیئر سنٹر جیسی سہولیات ۲۴ گھنٹے کے لیے ہونی چاہییں اور عورتوں کو معاشی لحاظ سے خودمختار ہونا چاہیے۔ ۲۷

عورتوں کی اس تحریک نے مسلم ممالک میں ابھی بہت زیادہ اثر نہیں دکھایا۔ لیکن آہستہ آہستہ مسلم عورت پردہ ختم کرتی جارہی ہے اور مسلم عورت اپنی روایات اور کلچرل ویلیوز سے بغاوت کر کے اپنی مغربی ساتھیوں کی طرح جدت پسند زندگی گزارنے کی جدو جہد میں مبتلا ہے۔ جیسا کہ تہران میں عورتیں اپنے گھر اور خاندان کو کم وقت دیتی ہیں اور اپنا زیادہ وقت سماجی کاموں، ملازمتوں، خود کو سجانے، سنوارنے، دوستوں کے لنچ یا ڈنر پارٹیوں وغیرہ میں جانے پر صرف کرتی ہیں۔ اسی طرح لبنان میں عورتیں اپنا زیادہ تر وقت گھر سے باہر گزارنا پسند کرتی ہیں اور چھٹی کے دن زیادہ تر عورتیں ساحل سمندر پر پائی جاتی ہیں۔ یہاں وہ بے ہودہ سوئمنگ سوٹ پہنے سوئمنگ میں مصروف ہوتی ہیں۔ یہ سب ایک مسلم عورت کو زیب نہیں دیتا۔ کچھ سال پہلے تک عورت ایسے لباس پہن کر یوں سرعام گھومنے سے گھبراتی تھی لیکن آج کل یہ عام ہو رہا ہے۔ ۲۸

اگر ہم شریعت کی نظر سے دیکھیں تو ایک خاندان سماجی ڈھانچے کا ایک اہم حصہ ہے۔ اس کی سب سے بڑی مثال ہمیں مدینہ میں ملتی ہے۔ یہاں آپؐ نے لوگوں کو آپس میں ملا کر کہا کہ آج سے تم بھائی بھائی ہو۔ ایک خاندان ایک سماجی ڈھانچے کی بنیاد ہے جس میں شوہر یا باپ کو گھر کے امام کی حیثیت حاصل ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے باقی گھر کے افراد کی ساری ذمہ داری اُس کے کندھوں پر ہوتی ہے اور عورت خواہ وہ بیوی ہو یا ماں، اُس کو گھر کی ملکہ کی حیثیت حاصل ہے اور عورت ہی نے گھر کو چلانا ہوتا ہے۔ خاندان ایک معاشرے کے توازن کو برقرار رکھتا ہے۔ اسلام میں مسلم مرد کو چار شادیوں

۲۶۔ مریم جمیلہ، اسلام اور مغربی معاشرہ، ص ۷، ۹، پیراگراف، ۲۔۲

۲۷۔ مریم جمیلہ، اسلام اور مغربی معاشرہ، ص: ۹۹، ۱۱۰؛ پیراگراف، ۱۔۲

۲۸۔ مریم جمیلہ، اسلام اور مغربی معاشرہ، ص: ۱۰۴، ۱۰۵؛ پیراگراف، ۲۔۲

کی اجازت ہے، جیسا کہ خانہ کعبہ کے چار کونے اُس کو متوازن رکھے ہوئے ہیں اسی طرح ایک خاندان بھی معاشرے کو متوازن رکھتا ہے۔ بعض لوگ اس کی اہمیت کو نہیں سمجھتے۔ آج کل کی عورت روایتی اسلامی معاشرے سے بغاوت پر اتر آئی ہے۔ عورت چونکہ جدت پسند زندگی گزارنا چاہتی ہے اس لیے وہ ان حدود و قیود کا خیال نہیں رکھتی۔ ۲۹

اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو مرد اور عورت کی برابری کا سوال ہی بے معنی ہے۔ یہ تو بالکل ایسے ہے، جیسے گلاب اور جسمین کے پھول ہوں اور ہم اُن کی برابری کی بات کریں، کیونکہ دونوں کی الگ الگ خصوصیات ہیں۔ رنگ اور خوشبو الگ ہیں۔ اسی طرح ایک مرد کبھی ایک عورت جیسا نہیں ہوسکتا اور نہ ہی عورت مرد جیسی ہوسکتی ہے۔ دونوں کے اپنے اپنے فرائض ہیں۔ جیسا کہ مرد کی یہ ذمہ داری ہے کہ اپنے خاندان کی کفالت کرے۔ پورے خاندان کی کفالت کا ذمہ چونکہ مرد ہے۔ چاہے بیوی کتنی ہی دولت مند کیوں نہ ہو۔ اُس کے شوہر کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اُس کی کفالت خود کرے۔ ۳۰

ایک اہم بات کہ عورت خود اپنے لیے ایک اچھے شوہر کی تلاش نہیں کرسکتی۔ اس میں اُس کی فطری جھجک اور ہچکچاہٹ آجاتی ہے۔ یہاں بھی ایک خاندان ہی عورت کی ڈھال بنتا ہے اور اس کی مدد کرتا ہے۔ عورت سیاست یا فوج کی ذمہ داری کو بھی نہیں اٹھاسکتی۔ حالانکہ جدت پسند معاشرے میں عورتیں ان کاموں میں پیش پیش ہیں، لیکن کسی ملک کی حکومت کو سنبھالنا ایک بہت بڑا فرض ہے جو کہ عورت کے لیے مشکل کا باعث بن سکتا ہے۔ ۳۱

عورت کو چاہیے کہ ایسے حقوق کی مانگ کرنا چھوڑ دیں۔ ایسا کرنے سے انسان اور جانور کے معاشرے میں کوئی خاص فرق نہیں رہتا۔ عورت اور مرد دونوں اللہ کی پیدا کردہ مخلوق ہیں۔ دونوں کی الگ الگ ذمہ داریاں ہیں۔ اگر دونوں باہمی رضامندی سے اپنی اپنی ذمہ داریوں کو نبھائیں گے تو ایک صحت مند معاشرہ تشکیل پائے گا۔ ۳۲

مسیحیت: ۲۰۰۰ سال پر مشتمل اختراعات

محترم مریم جمیلہ نے دوسرے آسمانی مذاہب سے متعلق اپنی رائے کو پیش کرنے والے مصنفین کا بھی ٹھوس دلائل کے ساتھ جوابات دینے کی کوشش کی ہے تاکہ دور جدید میں لادینیت کے طوفان کا متحد ہوکر مقابلہ کیا جاسکے۔ اُنہوں نے ستمبر ۲۰۰۰ء کے Encounter کے شمارے میں 'ایلن ریس' کے ایک مضمون 'مسیحیت: ۲۰۰۰ سال پر مشتمل اختراعات' کے جوابات دیتے ہوئے لکھا۔ ۳۳

نظریات، عقائد اور رسوم و رواج میں اختلاف کے باوجود، دنیا کے تمام اہم تاریخی مذاہب، اپنے مقصد اور تعلیمات کے لحاظ سے اُس 'سچائی' کے علمبردار رہے ہیں جو انسان کے اعتقاد اور عدمِ اعتقاد کے باوجود اپنی 'سچائی' قائم رکھتی

۲۹۔ مریم جمیلہ، اسلام اور مغربی معاشرہ، ص ۱۰۷، ۱۰۸۔۹؛ پیراگراف، ۲

۳۰۔ مریم جمیلہ، اسلام اور مغربی معاشرہ، ص: ۱۰۹، ۱۱۰؛ پیراگراف، ۲

۳۱۔ مریم جمیلہ، اسلام اور مغربی معاشرہ، ص: ۱۱۰، ۱۱۱؛ پیراگراف، ۲

۳۲۔ مریم جمیلہ، اسلام اور مغربی معاشرہ، ص: ۱۱۶؛ پیراگراف، ۱

۳۳۔ Maryam Jameela: A Muslim Critique, Encounters Vol, 6 , No:2, Sept, 2000

ہے۔ ان تمام مذاہب کے نزدیک، ماورائی اور مقدس دینی اور اخلاقی اقدار اعلیٰ تکریم و تقدیس کی مستحق ہیں۔ تمام مذاہب نے دنیا کی تمام تہذیبوں پر اپنے اثرات مرتب کیے ہیں، اور عظیم ..... اور تہذیبی معمولات سمیت، نجی اور عوامی زندگی کے ہر پہلو کو متاثر کیا ہے۔ زندگی کے مفہوم و مقصد اور اس کائنات میں انسان کے مقام کے متعلق تشریح اور وضاحت کے حوالے سے تمام مذاہب، زمان و مکان سے ماورا، خالق حقیقی اور اس دنیا میں اپنی زندگی کے متعلق، خدا کے سامنے جواب دہی پر مبنی براہِ راست ذمہ داری پر اپنی توجہ مرکوز کرتے ہیں۔ مسیحیت اور اسلام کے حوالے سے یہ نقطۂ نظر اور اصول، ہمیشہ ہی سچ ثابت ہوا ہے۔ قرونِ وسطیٰ کے زمانے میں، مسیحی اور مسلمان، دونوں ہی ایک دوسرے کو بخوبی طور پر سمجھ سکتے تھے۔ کیا انھوں نے ایسا کیا، بدقسمتی سے ان دونوں نے اس قسم کا طرزِ عمل نہیں اپنایا۔

اب صرف موجودہ زمانے میں ہی بین المذاہب گفتگو کو اس لیے فروغ دیا جا رہا ہے تاکہ ان کے درمیان باہمی اعتماد اور تعاون جنم لے سکے۔ ان مذاکرات اور گفتگو کا واحد، جائز اور بامعنی مقصد یہ ہونا چاہیے کہ دنیا کے تمام مذاہب، الحاد پرستی، مادہ پرستی، لادینیت اور جدیدیت کی قوتوں کے خلاف متحد ہو جائیں جو اِن کے لیے یکساں خطرے کا باعث ہیں۔ بصورتِ دیگر، اس گفتگو اور مذاکرات کا قطعی کوئی فائدہ نہیں ہے اور ان کے متعلق انتہائی احتیاط سے کام لینا چاہیے۔

کم از کم، عہدِ قدیم میں اسلام کے لیے مسیحیت کی طرف سے معاندانہ رویہ، نہایت سچا، بے تکلفانہ اور واضح تھا۔ بہرحال، مسلمانوں کو مسیحیت کی طرف سے موجودہ اندازِ فکر سے خبردار رہنا چاہیے، اور ان بظاہر بے ضرر چال بازیوں سے ہوشیار رہنا چاہیے جو جدید الحادی نظریات پر مشتمل ہیں، اور منافقانہ نرم خوئی کے ذریعے انھیں بہلایا اور پھسلایا جا رہا ہے۔ ان تمام نظریات کو ایک چھوٹے سے مسیحی حلقے نے نہایت خوش دلی سے قبول کیا جس کا اعتقاد اور ایمان، مسیحیت سے زیادہ، ڈارون کے نظریۂ ارتقا پر ہے۔ اب صرف ایک قطعی طور پر جدت پسند ہی اس مسیحی حلقے کے مذہبی عقیدے کو اختراع اور تبدیلی کی اصطلاحات کے تحت بیان کر سکتا ہے، یا اس مسیحی حلقے کی نظر میں، اس عقیدے کو مستقبل کی ضروریات کے لحاظ سے، مستقل 'اختراعات' کی اصطلاح کے تحت بیان کیا جا سکتا ہے۔ درحقیقت یہ تو کوئی مذہب ہی نہیں ہے اور نہ ہی یہ مسیحیت ہے جیسا کہ کم از کم ویٹی کن دوم سے پہلے مذہب سمجھا جاتا تھا۔ اب اس مسیحی حلقے کے نزدیک اس کا کام یہ ہے کہ مسیحیت کو اس کی زیادہ سے زیادہ منکسرانہ اور جدید اصطلاحات کے تحت بیان کیا جائے۔ جب اس کے مدنظر یہ ہو کہ مسیحیت، سچائی ہے یا نہیں ہے۔ اور اس کے سوا کوئی اور چارۂ کار بھی نہیں ہے۔ اس مسیحی حلقے کی جدیدیت، خطرناک طور پر ملحدانہ انسانی نظام، مثلاً فبلیکیس ایڈلر کی اتھیکل کلچر موومنٹ (Ethical Culture Movement) خدا کو شخصی تصور کرنے پر مبنی نظریے یا بہائی نظریے سے منسلک ہے۔ ان کے اپنے اعتقادات پر ایمان سے محرومی، مغربی کلیساؤں میں نقص اور بگاڑ کا آئینہ دار ہے۔ اس مسیحی حلقے کی طرف سے اپنے ہی تاریخی ماضی کی حرمت سے انکار، خاص طور پر قدیم رومی کلیسا اس امر کا واضح ثبوت ہے۔ قاری کو ربوبیت کے حوالے کی عدم موجودگی کو لازمی طور پر محسوس کرنا چاہیے جہاں خدا کا ذکر واضح طور پر غائب ہے۔

یہ مسیحی حلقہ، نظریۂ ارتقا اور ترقی پر مبنی نظام کی ملحدانہ نوعیت کو بخوبی قبول کرتا ہے کہ آسمان (عرش) پر موجود جنت کے بجائے زمین پر سائنس اور فنی مہارت کے ذریعے خوشی اور طمانیت حاصل کی جا سکتی ہے۔ یہ مسیحی حلقہ، اپنے اعتقاد و ایمان

کو اپنی 'قدیم' اور 'جاہلانہ' صورتوں میں تلاش کرنے کے لیے بے تاب ہے، اور اس کی یہ تلاش قرونِ وسطیٰ سے لے کر آج کے 'روشن خیال' زمانے تک محیط ہے۔ بالفاظ دیگر، مسیحی حلقہ اس امر کا قائل ہے کہ مذہب ازخود وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جدید ہوتا جاتا ہے تاکہ اس کی نئی اور تازہ ترین اقسام لازمی طور پر، اس کی پرانی اور فرسودہ اقسام سے ہمیشہ بہتر ہونے چاہییں۔ یہ اصول، ان تمام مذاہب کے لحاظ سے 'روایت' کے یکسر مخالف ہے جن کی تعلیمات کے مطابق، انسان اپنی بنیادی حالت ونوعیت کے طور پر ہی بہترین نوعیت وحیثیت کا حامل ہے جس کے بعد انسان، اپنی اصلی حالت پر قائم نہیں رہ سکا۔ یہ بگڑا ہوا اور منتشر انسان، صحیح عقیدہ اپنانے اور خدائی احکامات کے ذریعے تعلیم کیے گئے طریقے اپنانے کے باعث سنبھل سکتا ہے۔ انسان، اپنے غلط عقائد سے، وقت کے ساتھ تبدیل ہونے کے ذریعے نہیں بلکہ زمان و مکاں سے ماورا، سچائی قبول کرنے کے ذریعے ہی چھٹکارا حاصل کرسکتا ہے۔

عرصۂ دراز تک، رومی کلیسا، اپنی تمام قوت کے ساتھ مذہبی جدیدیت کے خلاف لڑتا رہا۔ ہرکیتھولک پادری، جدیدیت کے تمام اصولوں سے ان کے اعتراف سے پہلے، انکار کرنے پر مجبور تھا۔ رومی کلیسا ایک چٹان کی مانند تھا جو کبھی ریزہ ریزہ نہیں ہوتی۔ یہ سب کچھ ویٹی کن دوم کے ذریعے زبردست طور پر، اُلٹ ہوگیا۔

یہ پادری (مسیحی حلقہ) نہایت فخر کے ساتھ اپنے اس 'مخترع' اعتقاد وایمان کو دنیا بھر میں ایک عظیم 'داستانِ کامیابی' کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ ایک ایجاد کردہ اعتقاد، مستقل تبدیلی، جدت اور اختراع، اپنی تعریف کے لحاظ سے، خالصتاً لازمی طور پر 'خودساختہ' ہونا چاہیے۔ اپنے کلیسائی حلقے کے لحاظ سے، وہ اسے تقریباً خالی پائے گا۔ ویٹی کن دوم کے زمانے سے لے کر، اسے اعتراف کرلینا چاہیے کہ ایک نئے عقیدے کے طور پر کلیسا سے وسیع پیمانے پر لوگوں کا اخراج، گرجا گھروں/ خانقاہوں سے ننوں کی واپسی، ایمان و اعتقاد کو متاثر کرنے میں ناکام ہے۔ یورپ میں مذہب سے لاتعلقی کا رجحان اس قدر زیادہ ہوچکا ہے کہ پادری بھی، آخرت میں سزا و جزا کے حوالے سے خدا کا نام لینے سے اس لیے ہچکچاتے ہیں کہ کہیں ان کی قبولیت میں کمی واقع نہ ہوجائے۔

اس 'مسیحی روایت' کی تباہی پر مسلمانوں کو قطعی خوش نہیں ہونا چاہیے' کیونکہ ایک مذہب میں ٹوٹ پھوٹ اور انتشار کے باعث دیگر مذاہب بھی ان اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکتے اور مغرب میں مذہب سے مروج لاتعلقی، کم از کم تمام 'دارالاسلام' میں ٹوٹ پھوٹ اور انتشار کا باعث بن سکتی ہے اور مشرق بھی اس کے گہرے اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

مسیحیت کے اس زوال سے ہمیں سبق سیکھنا چاہیے اور اسے مسلمانوں کے لیے ایک انتباہ تصور کرنا چاہیے۔

اسلام کی حقانیت پر مریم جمیلہ کی شہرہ آفاق تصانیف:

1. Islm Versus the West.
2. Islam and Modernism.
3. Islam in Theory and Practice.
4. Islam Versus Ahl al Kitab-Past and Present.
5. Ahmad Khalil.

6. Islam and Orientalism.
7. Western Civilization Condemned by itslef.
8. Correspondence Between Maulana Maudodi and maryam Jameelah.
9. Islam and Western Society.
10. A Manifestor of the Islamic Movement.
11. Is Western Civilization Universal?
12. Who is Maudoodi?
13. Why I Embraced Islam.
14. Islam and the Muslim Woman Today.
15. Islam and Our Social Habits.
16. Islamic Culture in Theory and Practice.
17. Three Great Islamic Movements in the Arab World of the Recent past.
18. Shaikh Hassan al Banna and Al Ikhwan al Muslimun.
19. A Great Islamic Movement in Turkey.
20. Two Mujahidin of the Recent Past and their Struggle for Freedom Against Foreign Rule.
21. The Generation Gap. Its Causes and Consequences.
22. Westernization Versus Muslims.
23. Westernization and Human Welfare.
24. Modern Technology and the Dehumanization of Man.
25. Islam and Modern Man.